اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:119)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ- وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ -وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تقویٰ کا حکم:۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:119)

’’اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ!‘‘

اے ایمان والو! اے وہ بندو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو! جو عہد کر چکے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت کے حکم کو مانیں گے اور اس کے محبوب کے طریقے کو اپنائیں گے۔ اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو!، تقویٰ اختیار کرو! اس آیت میں تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو تقویٰ حاصل کرنا یہ مؤمن کے لیے ضروری ہے۔

تقوی کسے کہتے ہیں؟

تقوی کہتے ہیں ہر اس چیز کو ترک کر دینا جس کے اختیار کرنے سے تعلّق باللہ میں فرق آجائے۔ جو چیز بھی اللہ رب العزت سے دوری کا باعث بنے اس کو چھوڑ دینا تقویٰ کہلاتا ہے۔ لہٰذا تقویٰ کے تین مراتب ہیں:

(ا) پہلا ہے ’’کفر اور شرک کو چھوڑ دینا‘‘ کفر اور شرک سے توبہ کرنا خلود فی النار سے بچاؤ کا سبب ہے۔ جو آدمی کفر اور شرک سے بچ گیا وہ جہنّم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں رکھا جائے گا، خلود فی

النار کے عذاب سے اور ہمیشہ ہمیشہ والے عذاب سے بچ گیا۔

(۲) دوسرا ہے ''ترک معاصی'' معصیت کو چھوڑ دینا، یہ دخول فی النار سے بچاؤ کا سبب ہے۔

(۳) تیسرا ہے ''مشتبہات سے بچنا'' ایسا انسان جنت کے اندر اللہ رب العزت کے ہاں بڑے مراتب پانے کا حقدار بن جاتا ہے۔لہٰذا انسان جتنا تقویٰ اختیار کرے اتنا کم ہے۔

تقویٰ کی تاکید:

قرآن مجید میں تقویٰ کی تاکید بار بار آئی ہے۔ بلکہ کہیں تو ایک ہی آیت میں دو دو دفعہ تقوی کا لفظ آیا ہے۔ جب ایک سانس میں ایک بات کو دو مرتبہ دہرایا جائے تو بات کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتیہے ۔ جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الحشر:18)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے آگے کیا (سامان) بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو! بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے''

دیکھیں ایک ہی آیت ہے اتقوا اللہ کے بعد پھر اتقوا اللہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں تقویٰ کی اتنی اہمیت ہے۔اس لیے اس کو اختیار کیے بغیر کوئی انسان ولی نہیں بن سکتا۔قرآن مجید میں فرما دیا کہ

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:34) اللہ کے ولی وہی ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔

تو ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم تقویٰ بھری زندگی گزاریں۔

تقو ی کی وصیت:

جب کوئی وصیت کے رنگ میں کوئی نصیحت کرتا ہے تو اس نصیحت کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔فرمایا:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (النسآء:131)

''ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہ وصیت کی تھی تمہیں بھی یہ وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو!''

تو تقویٰ وہ چیز ہے کہ جس کی اللہ رب العزت نے وصیت فرمائی ہے۔

تقو ی کی ترغیب:

ارشاد فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن:16) تقو یٰ اختیار کرو جتنی تمہاری استطاعت ہے۔

یعنی تم جتنے تیز گھوڑے دوڑا سکتے ہو اس میدان میں دوڑا لو۔میدان کھلا ہے، ہمت کرو اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔ جتنا زیادہ تم تقو یٰ اختیار کر سکتے ہو کرو۔

تقو یٰ کیا ہے؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! تقو یٰ کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اگر تمہارے دل کی تمناؤں کو مجسّم کر کے کسی طشتری کے اندر رکھ دیں اور اس کو سرِ بازار پھرائیں تو کوئی ایسی تمنا اس میں نہ ہو کہ جس پر تمہیں شرمندگی ہو اس کو تقو ی کہتے ہیں۔تو دل میں گناہ کی تمنا بھی نہ رکھنا اس کو تقو یٰ کہتے ہیں۔

آسان لفظوں میں اگر کوئی چاہے کہ میں سمجھوں کہ تقو یٰ کسے کہتے ہیں تو تقو یٰ یہ ہے کہ انسان ایسی زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔اپنی زندگی کے بارے میں یہ

سوچیں کہ میری زندگی میں کوئی انسان ایسا ہے کہ جس کا دل میں نے دکھایا، جس کے حقوق ادا نہیں کیے ،جس کو میں نے ستایا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ قیامت کے دن وہ میرا گریبان پکڑ لے۔ ایسی زندگی گزارنا کہ قیامت کے دن انسان کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو اسے تقویٰ کہتے ہیں ۔ایسا انسان متقی ہوتا ہے۔

علمِ نافع کونسا علم ہے؟

اس تقویٰ پر اللہ رب العزت انسان کو وہ علم دیتے ہیں جو اس کو کتابوں میں بھی نہیں ملا کرتا۔ ایک ہے علمِ نافع ،نفع دینے والا علم ،یہی علم تو مانگا گیا ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا ''اے اللہ میں نفع دینے والا علم مانگتا ہوں''

یہ نفع دینے والا علم کون سا ہے؟ یہ وہ علم ہے جو انسان کے سینے میں نور بن کے آتا ہے۔ ایک ہوتی ہیں معلومات وہ تو عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس بھی بہت ہیں۔ ایک ہوتا ہے علم یہ کوئی اور چیز ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بتاؤ علم کا مفہوم کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ جاننا، کسی نے کہا پہچاننا، اپنا اپنا جواب دیتے رہے، حضرت خاموش رہے۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بتا دیجئے، تو حضرت نے فرمایا کہ علم وہ نور ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ یہ ہے علم نافع۔

علم وبال:

اور ایک علم وبال ہوتا ہے اس علم کے باوجود انسان گمراہ ہوتا ہے۔ سنیے! قرآن عظیم الشان کیا کہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ (الجاثیہ:23)

’’کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا‘‘

تقویٰ اور علم کا تعلّق:

اس لیے تقوی اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تقوی ہوگا تو علم نافع زیادہ ہوگا اور تقوی نہیں ہوگا تو علم وبال زیادہ ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت اس امت کی کشتی کیسے ڈوبے گی؟ تو فرمایا کہ علما کی وجہ سے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس امت کی کشتی کنارے کیسے لگے گی تو فرمایا کہ علما کی وجہ سے۔ تو پوچھنے والا حیران ہوا کہ حضرت! کیا مطلب؟ فرمایا کہ جو علمائے سوء ہوں گے، نفس کے پجاری ہوں گے، نام کے عالم ہوں گے ان کی وجہ سے امت کی کشتی ڈوبے گی اور جو علمائے حق ہوں گے، ان کی وجہ سے یہ کشتی کنارے لگے گی۔ اس لئے تقویٰ میں کمی علم کی کمی کا باعث بنتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس میں تقویٰ نہیں تو وہ جلالین اور بیضاوی پڑھا نہیں سکتا۔ مسلم شریف اور بخاری شریف نہیں پڑھا سکتا۔ پڑھا سکتا ہے اگر یہ بندہ تقویٰ اختیار کرتا تو جتنا علم اب اس کے پاس ہے اس سے کئی گنا زیادہ علم اس کو عطا کر دیا جاتا۔ یہ مت سوچیے کہ میرے پاس تقویٰ نہیں اور میں بڑا ذہین ہوں، میں جماعت میں سب سے آگے ہوں، میں حدیث کو سمجھ لیتا ہوں۔ او اللہ کے بندے! اگر تم ان گناہوں کے ساتھ حدیث پاک کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو تو اگر تقویٰ کو اختیار کر لیتے تو اللہ رب العزت تمہیں حفاظ حدیث میں شامل فرما دیتے۔ تقویٰ کی کمی کی وجہ سے آپ نے اپنے مرتبے کو کم کر لیا۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے اعمال کی تاویل کرتا پھرے گا۔ جہاں اپنے نفس کا معاملہ آئے گا فتویٰ اور ہوگا اور لوگوں

کے بارے میں فتویٰ کچھ اور ہوگا۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ تقویٰ زندگی میں نہیں ہے۔

علم کا مقصد، رضائے الٰہی کا حصول ہے:

چٹائیوں پر بیٹھ بیٹھ کر آدمی کے گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان پڑ جاتے ہیں مگر یاد رکھیں تقویٰ دل میں پیدا نہ ہوتو یہ نشان فائدہ نہیں دیں گے۔ کسی بیل کو دیکھ لیں گھوڑے اور گدھے کو دیکھ لیں ان کی ٹانگوں اور ٹخنوں پر بھی نشان نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی عالم یا طالب علم یہ سوچے کہ صفوں پر بیٹھ بیٹھ کر جسم پر نشان پڑ چکے ہیں تو اسے جان لینا چاہیے کہ اگر مقصود اللہ کی رضا ہے تو ایک ایک حرف پر اجر ملے گا اور اگر مقصود دنیا ہوگی تو یہ ایک بوجھ ہوگا جو گدھے کی پشت پر لاد دیا گیا۔

چنانچہ بنی اسرائیل کے علما کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ:5) یہ گدھے ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے‘‘

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گدھے کا لفظ استعمال فرمایا اور بے عمل پیر جو بنی اسرائیل کے تھے اللہ نے انہیں کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

فَمَثَلُه‘ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف:176) ان کی مثال کتے کی مثال ہے‘‘

یہ بلعم باعورہ اپنے وقت کا پیر تھا مگر بے عمل نکلا، نتیجہ کیا نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی مثال کتے کی مانند ہے۔

حقیقی عالم کون ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سے سوء حافظہ کی شکایت کی

شَكَوْتُ اِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِى فَاَوْصَنِىْ اِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِیْ　وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

تو اس علم سے مراد ظاہری الفاظ نہیں تھے، علم کا نور تھا۔ وہ علم کا نور گناہوں کے سبب بندے سے چھین لیا جاتا ہے، بندے کو محروم کر دیا جاتا ہے۔ اب علم نافع کی کیا پہچان؟ علم نافع کی پہچان یہ ہے کہ جتنا یہ علم بڑھتا چلا جاتا ہے بندے کے دل میں خوف خدا اور خشیت بڑھتی چلی جاتی ہے یہ پہچان ہے علم نافع کی، چنانچہ فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28) ”بے شک علما ہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں“

لہٰذا اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہوتا ہے؟ تو آسان لفظوں میں اس کی تعریف سن لیجیے۔

”جس بندے پر گناہوں کی جتنی زیادہ مضرتیں کھل جائیں وہ اللہ کی نگاہ میں اتنا ہی بڑا عالم بن جاتا ہے“

تو عالم کون؟ جس پر گناہوں کی مضرتیں کھل جائیں، نقصان کھل جائیں حتیٰ کہ وہ گناہ کے قریب بھی نہ جائے، یہ عالم ہے۔ اللہ کے ہاں یہ شخص علم رکھنے والا ہے۔ اسی لیے جس انسان کے اندر تقویٰ نہیں ہوتا، معصیت کی زندگی گزارتا ہے، نور نبوت کے علم سے اس کو محروم کر دیتے ہیں، وہ اس کو حاصل ہی نہیں کر سکتا۔

انسان اللہ رب العزت کے ہاں عالم بنے لیکن اس کے لیے تقویٰ لازمی ہے۔ پھر اللہ رب العزت وہ علم دیتے ہیں جو علم انسانوں کو عام کتابوں سے نہیں ملتا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ ”مجھے میرے رب نے علم سکھایا اور بہترین علم سکھایا، مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا“

تو علم کون دیتا ہے اللہ رب العزت دیتے ہیں اور متقی بندے کو دیتے ہیں۔ جتنا تقویٰ زیادہ اتنا اللہ رب

العزت اس کے اوپر اسرار و رموز کھولتے چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ علمائے یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:64) کاش کہ وہ جانتے!"

حالانکہ وہ علماء تھے لیکن وہ اللہ کی نظر میں بے علم ہیں تبھی تو فرمایا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اور ایک اور جگہ فرمایا کہ

وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرہ:44)

کہ تم کتاب پڑھتے ہو اور تمہارے پاس عقل کی رتی بھی نہیں۔

تو علم وہ ہے جس سے انسان کے دل میں خشیت الٰہی بڑھتی جائے

علم پر عمل ضروری ہے:

تو اب یہاں ایک نکتہ کی بات سمجھ لیجیے کہ ایمان کا محافظ علم ہے اور علم کا محافظ تقویٰ ہے۔ تقویٰ نہیں تو علم سے محروم، علم نہیں تو ایمان سے محروم۔ جو ایمان کی حفاظت چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے علم کو محفوظ رکھے اور جو علم کو محفوظ کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم بکثرت روایات کا نام نہیں، علم عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام شافعیؒ کو نصیحت فرمائی کہ آپ اپنے عمل کو آٹا بنائیں اور اپنے علم کو نمک کی مانند بنائیں۔ آپ حیران ہوں گے دنیا میں جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں ان سب کے بانی عالم تھے مگر نام کے عالم تھے حقیقت میں جاہل تھے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان اللہ رب العزت سے ڈرے اور علم نافع حاصل کرنے کی دعائیں مانگے اور یہ خشیت اور خوف خدا بندے کو اعمال کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہر عالم کو چاہیئے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کچھ نہ کچھ

نیک اور مخفی اعمال کا ذخیرہ موجود ہو۔لوگوں سے چھپ کر اللہ کے لئے عمل کرے کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دے کہ کیا عمل کیا۔ ہمارے اکابر ایسے ہی کیا کرتے تھے، زندگی میں کتنے اعمال ایسے کرتے تھے کہ ان کے پروردگار کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا، فقط اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے۔

اللہ متقی عالم سے ہی دین کا کام لیتے ہیں:

ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ دین کا کام اللہ نے جب بھی لیا ظاہر اور باطن کے جو متقی علماء تھے ان سے دین کا کام لیا۔آپ امت کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیجئے جن کو اللہ نے دین میں بلندی عطا فرمائی، دین میں قبولیت عطا فرمائی، یہ سب وہی لوگ تھے جو مرج البحرین کی مانند تھے۔علم ظاہر بھی تھا اور علم باطن بھی تھا۔شریعت اور طریقت کے جامع تھے دونوں نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں تھیں۔ اسی لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم چوں برتن زنی مارے بود علم چوں بر دل زنی یارے بود

علم دین کو اگر تم جسم کی پرورش کا ذریعہ بناؤ گے تو یہ تمہارے لیے سانپ بن جائے گا اور اگر اس علم کو اپنے دل کے بیدار کرنے کا ذریعہ بناؤ گے تو یہ تمہارا یار بن جائے گا ۔

بینی اندر خود علومِ انبیا بے کتاب و بے معین استاد

اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اپنے اندر انبیا کا علم پاؤ گے۔اللہ تمہیں وہ علم دے گا جو تمہیں عام کتابوں سے نہیں مل سکتا۔بغیر کتاب اور بغیر استاد کے تعاون کے اللہ رب العزت تمہارے سینے کو علم کے نور سے بھر دے گا۔

تقوی کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقوی کیسے پیدا ہو؟ یہ تقویٰ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔

کیوں کہ ان کے دل خشیتِ الٰہی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدَنٌ وَ مَعْدَنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ

”ہر شئے کا ایک خزانہ ہوتا ہے اور تقوی کا خزانہ اولیاء اللہ کے دل ہوا کرتے ہیں“

اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے:

اسی لیے آگے فرمادیا:

وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:119) اور سچوں کے ساتھ ہو جاوَ۔

یہ کونوا امر کا صیغہ ہے، گویا یہ اللہ کا حکم ہے۔حکمِ خدا کی تعمیل بندے پر فرض ہے۔فرمایا کہ و کونوا مع الصادقین تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔وہ کون سچے؟ جن کے ظاہر اور باطن میں فرق نہیں ہوتا۔دو رنگی سے جن کو اللہ تعالیٰ بچا کر اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔

مفسّرین نے اس آیت کا مفہوم مشائخ وقت کو لیا ہے کہ تم مشائخ کی صحبت میں بیٹھو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ! چنانچہ علم کا لطف عمل کی برکت سے ہے، عمل کا لطف عشق الٰہی کی برکت سے اور عشقِ الٰہی ملتا ہے ان مشائخ کی صحبت سے۔چنانچہ روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کونوا مع الصادقین کا مطلب یہ ہے کہ ”خَالِطُوْهمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ“ ان سے ملوتا کہ تم ان جیسے ہو جاؤ“ اتنا ان کے ساتھ ملو، رابطہ رکھو کہ تم ان کی مانند بن جاؤ! کہتے ہیں ناں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔تو تم ان کے ساتھ اتنا آنا جانا رکھو، میل جول رکھو، اتنا رابطہ رکھو کہ ان کی کیفیات تمہارے اندر جذب ہو جائیں۔

فکل قرین بالمکارم یقتداء ''ہمیشہ جو اپنا ساتھی ہوتا ہے اس کی وہ پیروی کرتا ہے''

وہ بات مان لیتا ہے اور واقعی بات سچی ہے۔ چنانچہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے انسان ان کے باطنی کمالات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔اس پر کسی عارف نے کہا

یہا ں تک جذب کر لو ں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر سے میں

صحبت مؤثر ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ

المرء علٰی دین خلیله ''کہ بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے''

تو جب انسان اللہ والوں کی صحبت میں رہے گا تو یقیناً انہی کی عادات واطوار کو اپنائے گا۔ چنانچہ حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب قول نقل کیا ہے،فرماتے ہیں:

مجالسة الحریص ومخالطته تحرث الحرص و مجا لسة الزاھد و مخالطته تزھد فی الدنیا لان الطباع مجبولة ''حریص بندے کی صحبت اور اس سے میل جول حرث پیدا کرتا ہے اور زاہد کی صحبت اور اس سے میل جول دنیا سے زہد پیدا کرتا ہے اس لیے کہ طبائع نقل کرتی ہیں''

حریص بندے کی صحبت بندے کے اندر حرص پیدا کر دیتی ہے اور کسی زاہد کی صحبت انسان کے اندر زہد فی الدنیا پیدا کر دیتی ہے۔اس لیے کہ اللہ رب العزت نے انسانوں کی طبیعتوں کو بنایا ہی ایسا ہے کہ وہ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور اقتدا کرتی ہیں۔یعنی انسانوں کی فطرت ہی اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ جس کے ساتھ رہتا ہے اسی جیسا بننا چاہتا ہے یا اس کے نقش قدم پہ چلنا چاہتا ہے۔ بلکہ فرماتے ہیں طبیعتیں

دوسرے بندے کے اعمال کو اس طرح چوری کر لیتی ہیں کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری عادات کو اپنایا گیا ہے۔اسطرح طبیعتیں اپنے ساتھ والے کی عادات اپنالیا کرتی ہیں۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ جی میں نے فاسق دوست تو بنائے ہوئے ہیں لیکن ان کی باتوں کا میرے اوپر اثر نہیں ہوتا۔ یہ سو فیصد غلط بات ہے کیونکہ آدمی پر تو جانوروں کی صحبت کا بھی اثر ہو جاتا ہے۔علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو آدمی گھوڑوں کی سواری کرنے والا ہو اس کے اندر جوانمردی کا جذبہ ہوتا ہے، جو آدمی اونٹوں کی صحبت میں رہنے والا ہو اس کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے، جو بکریاں پالنے والا ہو اس میں عجز وانکساری ہوتی ہے۔اگر ان جانوروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی فطرت طبیعت پر اثر کرتی ہے تو جو انسانوں کے ساتھ رہے گا اس پر اثر کیوں نہیں ہوگا۔

”قال را بگذار مردِ حال شو“

تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی نیکوں کی صحبت کو اختیار کریں اور مشائخ کی صحبت کو اختیار کریں تاکہ ہمارے اندر حال پیدا ہو جائے ابھی تک تو ہم قال کے بندے ہیں۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو　پیش مرد کامل پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن　جان و دل را جانب دلدار کن

کسی صاحب حال کے سامنے اپنے قال کو ڈال دو اور کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دو، سو کتابیں اور سو ورق بھلے تم آگ میں ڈال دو اپنی جان اور اپنے دل کو تم اللہ کے حوالے کر دو۔

کسی پنجابی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا:

مٹی بن کے کمہار دے وس پییئے تے پیالے والڑا بھیس وٹا لییئے
قسمت نال جے پک کے توڑ چڑھیے مزہ یار دے لباں دا پا لییے

مٹی بن کر ہم کسی کمہار کے ہاتھوں میں آئیں جو ہمیں پیالے کی شکل میں ڈھال دے۔ اگر قسمت سے ریاضت کی بھٹّی سے پک کر نکلے تو محبوب کے لبوں سے لگنے کا ہمیں لطف نصیب ہو جائے گا۔

میرے دوستو! ہم اپنے آپ کو مٹی سمجھیں اور اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے حوالے کر دیں، پھر وہ ہمیں جس شکل میں ڈھالے ڈھلتے چلے جائیں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت ہمیں کیسے معرفت کے جام پلائیں گے۔ دیکھیں کہ جس پودے کا مالی کوئی نہ ہو وہ کتنا بدصورت ہوتا ہے! اس کی شاخیں کسی ڈھب پر نہیں ہوتیں، ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی مالی ہو تو وہ اس کی شاخوں کو تراشتا ہے اور اس طرح یہ پودا دیکھنے میں بھی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا بھی کوئی نگہبان ہو۔ اس نگہبان کو شیخ کہتے ہیں۔

صحبت کی اہمیت:

شاہ عبدالغنی پھول پوری (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا اتنا ضروری کیوں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ! صحابی بن سکتے ہو، کہا نہیں۔ تابعی بن سکتے ہو؟ جی نہیں، تبع تابعی بن سکتے ہو، نہیں، کیوں کہ صحابی تو وہ ہے جس نے نبی ﷺ کی صحبت پائی اور تابعی وہ ہے جس نے صحابہ کی صحبت پائی اور تبع تابعی وہ ہے جس نے تابعین کی صحبت پائی۔ قرونِ ثلاثہ مشہور بالخیر تو یہی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو اگر اللہ رب العزت کے ہاں اس لفظ سے زیادہ اور کوئی پسندیدہ لفظ ہوتا اللہ اپنے محبوب ﷺ کے شاگردوں کے لیے اس لفظ کو پسند فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابی کے لفظ کو پسند کیا، میرے محبوب ﷺ کے صحبت یافتہ، صحبت پانے والے صحابہ کہلائے۔

امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت! سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ بڑا ہے یا عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بعد کے دور کے تھے اور خلیفۂ عادل

تھے جبکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت لڑائیاں رہیں۔ اور انہی جنگوں کی وجہ سے حالات پر امن نہ تھے اس لیے اس آدمی نے ان دو شخصیات کے بارے میں سوال کیا۔ امام شافعیؒ نے ایسا جواب دیا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا: جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیلیے نکلے اور ان کے گھوڑے کے نتھنوں میں جو گرد اور مٹی جا پڑی، عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس مٹی کا رتبہ بھی بڑا ہے۔ تو یہ فرق کس وجہ سے پڑا؟ صحبت کی وجہ سے پڑا۔

جو نعمتیں اور برکتیں صحبت سے ملتی ہیں وہ اس کے بغیر بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کسی نے کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　مرا با جان جان ہمراز کردی

اسی لیے بزرگوں نے کہا:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　او نشیند در حضور اولیا

ہر بندہ جو یہ چاہے کہ میں اللہ کے ساتھ صحبت اختیار کروں اس کے ساتھ بیٹھوں۔ اس کو چاہیے کہ وہ اولیا کی صحبت میں بیٹھے یہ باخدا لوگ ہیں، ان کو خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے، چنانچہ ان کی ایک لمحہ کی صحبت بندے کی زندگی کو بدلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

”یک زمانہ صحبتِ با اولیا“

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شعراء جب اپنا کلام لکھتے ہیں تو افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس طرف رجحان ہوتا ہے بات کو لمبا کر دیتے ہیں اور جہاں نہیں ہوتا اس کو ضرورت سے زیادہ گھٹا دیتے ہیں۔ تو مجھے لگتا ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں کچھ ایسا ہی عمل کیا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحہ بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر صرف عبادت کہہ دیتے تو پھر بھی بات سمجھ میں آجاتی۔ سو سال کی بے ریاء عبادت تو سمجھ میں نہیں آرہی حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حکیم الامت تھے فرمایا کہ اس شعر کو میں یوں پڑھتا ہوں:؎

یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحہ گزارنا لاکھ سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے''

کہنے لگے کہ حضرت سو سال سمجھ میں نہیں آرہے تھے اور آپ نے تو لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرت نے ان کو تحقیقی انداز میں بات سمجھائی۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک بندہ لاکھ سال بے ریا عبادت کرے کیا اس کے پاس یقین دہانی ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا؟ یقین دہانی تو شاید کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ شیطان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ زمین کے چپے چپے پر اس نے سجدہ کیا طاؤس الملائکہ اس کا نام پڑ گیا لیکن ایسی پھٹکار پڑی کہ رب کریم نے فرمادیا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (ص:78-77)

''نکل جا یہاں سے! بے شک تو مردود ہے اور بے شک تجھ پر روز قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی''

اتنی عبادت مگر انجام اتنا برا۔ دنیا میں دیکھ لیجیے بلعم باعور بنی اسرائیل کا بڑا نیک عابد شخص تھا، مستجاب الدعوات بن گیا۔ جو دعا مانگتا تھا وہ دعا قبول ہو جاتی تھی لیکن ایسی پھٹکار پڑی کہ فرمایا:

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف:176)

''اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور

اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا‘‘

خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اللہ نے ایسی پھٹکار دی کہ تین سو سال عبادت میں گزارنے کے بعد بھی پھٹکارا گیا۔ جب یہ واقعات پڑھتے ہیں تو دل ڈرتا ہے کہ ہماری عبادت تو اتنی ہے نہیں، مقدار میں بھی اور معیار میں بھی کمتر ہے تو ہم کس کھاتے میں ہیں۔ فرمایا کہ اچھا میں آپ کو ایک حدیث سناؤں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ

’’وہ، وہ بندے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بد بخت نہیں ہوتا‘‘

کہ یہ جو نیک لوگ ہیں، اولیاء اللہ ہیں، ان کی صحبت میں جو آنا جانا رکھتا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں رہتا اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے۔ تو حدیث پاک بتا رہی ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے پر انسان کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے، ایمان کو لے کر سلامت چلا جاتا ہے۔ لہٰذا لاکھ سال کی عبادت پر بھی جس کا بھروسہ نہیں، محبوب کی زبان مبارک سے یہ بشارت مل رہی ہے کہ چند لمحوں کی صحبت سے اللہ رب العزت وہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ بد بخت نہیں ہو سکتا۔

مشاہیرِ امت اور صحبتِ اہل اللہ:

اگر ہم امت مسلمہ کی تاریخ کو دیکھیں تو جتنی بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں جن سے اللہ نے دین کا کام لیا سب نے مشائخ کی صحبت پائی۔ چنانچہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جتنے بھی بڑے بڑے علما گزرے، فقہاء گزرے، سب نے کسی نہ کسی کی صحبت پائی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ:

سب سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اسی لیے جتنے فقہا اور محدثین ہیں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت کے شاگرد ہیں۔لہٰذا حضرت کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔انہوں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں ان کی صحبت پائی۔اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی۔یہ امام قاسم رحمۃ اللہ علیہ فقہائے سبعہ مدینہ میں سے تھے۔یعنی مدینہ کے جو سات بڑے مفتی گزرے ہیں یہ ان میں سے ایک ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا تقویٰ دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نظر میں اس وقت دنیا میں کون سا انسان ایسا ہے جو خلافت کا مستحق ہو تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو میں خلافت قاسم بن محمد کے سپرد کردوں گا۔اس درجہ کے بزرگ تھے اور انہوں نے فیض پایا حضرت سلمان فارسیؓ سے اور انہوں نے فیض پایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔یہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلے کی لڑی میں سے ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔دو سال مختلف موقعوں پر ملنا جلنا رہا مگر اس ملنے کا اثر کیا ہوا کہ امام صاحب نے اپنی مبارک زبان سے یہ فرمایا

لَوْلَا السَّنَتَانُ لَهَلَكَ النُّعْمَان ”اگر میری زندگی کے یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہی ہو جاتا“

امام احمد بن حنبلؒ رحمۃ اللہ علیہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی صحبت میں جاتے تھے جن کا نام تھا ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کو کہتے تھے ابو ہاشم الصوفی یہ صوفی کا لفظ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

علیہ جیسے فقیہ فرماتے تھے۔آج کہتے ہیں کہ ”جی ہم ہیں تو حنبلی لیکن تصوف کو نہیں مانتے“ اور یہ صوفی کا لفظ ان کے امام صاحب فرما رہے ہیں۔کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے محدث بھی اور اتنے بڑے فقیہ بھی تو آپ نے ایسا جواب دیا جو ان کو ہی زیب دیتا تھا فرمایا کہ میں عالم بکتاب اللہ ہوں اور ابو ہاشم الصوفیؒ عالم باللہ ہیں اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت حاصل ہے۔اس لئے میں ان کی صحبت میں جاتا ہوں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے بیٹے! میں ریا کی دقیق باتوں سے کبھی بھی واقف نہ ہوسکتا اگر میں ابو ہاشم کی صحبت میں نہ بیٹھتا۔یہ ریا کو پہچاننا اس کی تفصیلات سے آگاہ ہونا، یہ مشائخ کی خدمت میں بیٹھ کر ہی راز کھلتے ہیں۔طبقات الکبریٰ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ

”بیٹے اخلاص کے جس مقام پر یہ مشائخ پہنچے ہم ابھی اس مقام پر نہیں پہنچ پائے۔“

حضرت ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ:

چنانچہ حضرت ابو العباس ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی اپنے وقت کے بڑے فقیہ تھے، قاضی تھے بلکہ قاضی القضاء تھے۔انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی۔اور اس کے بعد وہ کہتے تھے کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو مجھے سمجھ میں نہیں آئی مگر ان کی باتیں اتنی پر شکوہ ہیں کہ یہ شان کسی باطل کلام کے اندر ہرگز نہیں ہوسکتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ:

اور آگے آجائیے ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب جامع کمالات بنایا تھا۔شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔دونوں ایک زمانے کے تھے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے مجھے ایسا نور فراست دیا، نور باطن دیا کہ میں کشف کی نظر سے

پورے جہان کو ایسے دیکھتا ہوں کہ جیسے عام بندہ ہتھیلی میں پڑے ہوئے گندم کے دانوں کو دیکھتا ہے۔اور فرمایا کہ اس کشف کے حاصل ہونے کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جیسا کامل ولی اس وقت پوری دنیا میں کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تیرہویں صدی کا مجدد فرمایا، اس کی اپنی تفصیلات ہیں ۔حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سارے علماء نے فیض پایا۔جن میں سے دو عالم بڑے نمایاں ہیں۔ایک علامہ ابن عابدین جن کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بلکہ علامہ شامیؒ نے اپنے شیخ کے اخلاق اور کمالات کے بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی اور دوسرے ان کے خلیفہ تھے جن کا نام تھا۔علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے روح المعانی تفسیر لکھی۔اب بتائیے ایسے بڑے بڑے محدثین ان حضرات کی صحبت میں آ کر نسبت احسان حاصل کرتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مرزا جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے مگر اللہ نے انہیں جامع کمالات بنایا تھا۔یہ مفسّر بھی تھے انہوں نے ایک تفسیر لکھی، اس کا نام اپنے شیخ کے نام پر تفسیر مظہری رکھا۔معارِف القرآن پڑھیے اس میں تفسیر مظہری کا حوالہ ملے گا۔یہ ام الکتب ہے کئی کتابوں میں اس کا حوالہ ملے گا۔مفسّر بھی تھے محدث بھی تھے۔اپنے وقت کے قاضی بھی تھے وقت کے شیخ اور صوفی بھی تھے۔چنانچہ ان کی ایک کتاب مالابد منہ ہے ترجمے میں پڑھائی جاتی ہے۔حضرت اپنی

کتاب تحفۃ الصالحین میں فرماتے ہیں کہ بے شمار لوگوں کی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔ اس لیے کہ اس جماعت کا ہر فرد تقویٰ سے آراستہ ہے تو جو متقی ہوتا ہے وہ جھوٹ تو نہیں بول سکتا۔ اور ہر فرد تقویٰ سے مزین ہے۔ اپنے قلم کی زبان سے اس بات کی خبر دی کہ مشائخ کی صحبت سے ہمارے باطن میں ایک چیز پیدا ہوئی جس نے ہمارے باطن کو بیدار کیا۔ امت کی تصدیق موجود ہے۔ امت کے بڑے بڑے اکابر نے اس کی تصدیق کی۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر ہمارے باطن کی غفلت دور ہوئی۔ عشق الٰہی ہمارے اندر بھر گیا اور عمل کا جذبہ ہمارے اندر آ گیا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"نور باطن را از سینہ درویشاں باید جست"

کہ تم باطن کا نور درویشوں کے سینوں سے حاصل کرو یہ نسبت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی ہے۔

سید اسماعیل شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ:

چنانچہ اور قریب دیکھیے سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے عالم اور متقی بزرگ اور شیخ الاسلام مولانا عبدالحئیؒ جیسے بزرگ یہ دونوں حضرات سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ علم ظاہری پڑھنے کے لیے گئے تو ایک دن دیکھا کہ کتاب کے صفحے بالکل صاف ہیں۔ اپنے شیخ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت اب تمہیں علوم باطن بھی عطا فرمائیں گے اور تم سے دین کا کام بھی لیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند:

ماضی قریب میں دیکھنا چاہیں تو ہمارے اکابرین علمائے دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبال علم جو کہ علم کے پہاڑ تھے ان شخصیتوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض

پایا۔کسی نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ جیسا فقیہ انسان حاجی صاحبؒ کی صحبت میں کیوں گیا؟ انہوں نے بڑا پیارا جواب دیا ۔فرمایا کہ ہم نے دارالعلوم میں پڑھائی کے دوران میٹھائیوں کے نام یاد کر لیے تھے۔کون سی میٹھائیاں؟ جیسے توکل، تسلیم، رضا یہ جو باطن کے مقامات ہیں گویا مٹھائیوں کی مانند ہیں۔ہم نے ان مٹھائیوں کے نام پڑھ لیے تھے مگر ذائقے سے ناآشنا تھے۔ہم حاجی صاحب کے پاس ان مٹھائیوں کا ذائقہ چکھنے گئے تھے۔

یہ نعمت ہے جو ان مشائخ کی صحبت سے ملتی ہے۔چنانچہ بڑے بڑے بدکار قسم کے لوگ ان حضرات کی صحبت میں آکر بہت اونچے درجے کے نیکوکار بن جاتے ہیں۔بابو میاں ان بزرگوں کی صحبت میں آکر ''تابو میاں'' بن جاتے ہیں۔زندگی کے بدلنے کا پتہ نہیں چلتا کہ ایک لمحہ کی صحبت نے ان کی زندگی کو کیسے بدل کر رکھ دیا! اس لیے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم باطن کی یہ نعمت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔اور اس کے لئے اپنے آپ کو کھپا دیں۔حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں۔یہ حضرت حکیم الامت کے الفاظ ہیں۔ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں کہ آج کے زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں۔

حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

چنانچہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت سید فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے بہت مقام کے بزرگ گزرے ہیں ۔ان کا درس تفسیر بڑا معروف تھا ۔رمضان المبارک میں سینکڑوں علما جو اپنے اپنے مدارس میں تفسیر پڑھاتے تھے وہ ان کے ہاں تفسیر کا دورہ کرنے جاتے تھے ۔اللہ نے علما میں اتنا کام لیا۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا دورہ حدیث محدث اعظم حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔جب حضرت نے بخاری شریف پڑھالی تو اس کے بعد طلباء کو مخاطب کر

کے فرمایا کہ جتنی بار چاہو بخاری شریف ختم کرلو۔ جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہیں کرو گے تب تک تم روحِ علم سے محروم رہو گے۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آئے اور بیعت ہو گئے۔ ان سے کسی نے پوچھا: آپ عربیت کے ایسے ماہر، زبان پر آپ کو اتنا عبور حاصل ہے۔ تو آپ نے کیوں کسی کی بیعت کر لی؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جا کر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا۔ وہ ایک نکتہ کی عجیب بات فرماتے تھے اور طلبا کے لئے واقعی علمی بات ہے! فرماتے تھے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب سے ایک دعا منگوائی کہ جن میں اہل اللہ کی محبّت کو اعمال پر مقدم کر دیا۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمِلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ عَلٰی حُبِّكَ

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبّت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبّت کرتے ہیں ان کی محبّت کا سوال کرتا ہوں اور جو اعمال آپ کی محبّت کو بڑھاتے ہیں میں ان کا بھی سوال کرتا ہوں''

فرماتے ہیں: اہل اللہ کی محبّت پہلے، اعمال کی محبّت کی دعا بعد میں۔ فرماتے تھے کہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحبت اور محبتِ اولیاء سے انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے شعر کہا ہے:

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ　ملنے والوں سے راہ پیدا کر

حضرت مولانا الیاسؒ رحمۃ اللہ علیہ:

ہمارے اکابر علما دیوبند میں جتنا کثرت سے ذکر کرنے والے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (بانی

تبلیغی جماعت) تھے اتنا کثرت سے ذکر کرنے والا اکابر میں کوئی نہیں تھا، اس ذکر کی کثرت کی وجہ سے دعوت کا کام ان پر کھولا گیا۔ اور آج دیکھیے کہ دنیا کے سو سے زیادہ ممالک میں اللہ رب العزت اس محنت کے ذریعے سے لوگوں کے ایمان کی حفاظت فرما رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ تمام علما و اکابرین امت اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔

اہلُ اللہ کی صحبت کیوں ضروری ہے؟

اکثر یہ دیکھا گیا کہ بندہ عمل تو کر لیتا ہے لیکن اخلاص سے خالی ہوتا ہے۔ لیکن بے روح عمل کا نہ بندے کے دل پر اثر ہوتا ہے اور نہ اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے۔ اس لیے اخلاص ضروری ہے اور یہ اخلاص اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا فرمان:

حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ

اہل اللہ کی صحبت کے بغیر اخلاص کا مل جانا یہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا رومؒ کا فرمان:

مولانا روم فرماتے ہیں:

بے عنایت حق و خاصان حق　　گر ملک باشد سیاہ ہشت تش ورق

حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر تم فرشتے بھی بن جاؤ گے تو تمہارا نامہ اعمال سیاہ رہے گا اسی لیے فرماتے تھے کہ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولانا رومیؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ بیٹھے بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ وضو کے لیے تالاب بھی قریب ہی تھا تو

اس وقت حضرت شمس تبریزیؒ آئے انہوں نے آ کے پوچھا مولانا رومؒ سے کہ ''ایں چیست'' یہ کیا ہے انہوں نے فرمایا ''ایں قال است'' یہ قال ہے۔ تو حضرت نے کتاب مانگی اور لے کر پانی میں ڈال دی۔ اب اس زمانے میں فوٹو کاپیاں تو ہوتی نہیں تھیں مخطوطہ ہوتے تھے جو دوات اور سیاہی سے لکھے جاتے تھے۔ اور کتاب کو پانی سے بچانا بڑا ضروری ہوتا تھا۔ کتاب پانی میں ہی ڈال دی۔ مولانا رومؒ بڑے گھبرائے کہ کتاب ہی گئی۔ جب ان کو گھبراہٹ میں دیکھا تو انہوں نے ہاتھ ڈالا اور کتاب نکالی اور اس کو ہاتھ سے جھاڑا تو اس میں سے دھول نکلنے لگی۔ مولانا رومؒ رحمۃ اللہ علیہ حیران ہو گئے اور فرمایا: ''ایں چیست'' یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''ایں حال است'' یہ حال ہے۔ تو یہ وہ نعمت ہے جو ان اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر نصیب ہو جاتی ہے کہ صاحب قال بالآخر صاحب حال بن جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق دہلویؒ کا فرمان:

مولانا عبدالحق دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب پڑھنے کے لیے گیا تو میرے والد صاحب نے مجھے پیچھے سے خط لکھا اور فرمایا کہ بیٹے:

ملائے خشک و ناہموار نہ باشی

یعنی خشک ملا اور ناہموار نہ بننا۔ کئی خشک ہوتے ہیں! وہ قال ہی کی باتیں کرتے ہیں حال کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ عشق الٰہی کا ان میں فقدان ہوتا ہے۔

مفتی زین العابدینؒ کا فرمان:

مفتی زین العابدینؒ ایک بزرگ عالم گزرے ہیں۔ دعوت و تبلیغ میں بھی اللہ نے ان کو اونچا مقام دیا، ایک مرتبہ ان کا بیان تھا اور اس بیان میں ایک بات انہوں نے ارشاد فرمائی جو اس عاجز نے خود سنی اور آج ممبر پر بیٹھ کر اسی طرح نقل کر رہا ہوں کہ انہوں نے بیان میں یہ فرمایا:

جب تک تم کسی سے سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے، تبلیغ میں جوتیاں چٹخانے کے سوا تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بات انہوں نے بھرے مجمع میں کہی۔

حضرت مرشد عالمؒ کا فرمان:

چنانچہ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اولاد کون دیتا ہے؟ تو سب کہتے ہیں اللہ......حضرت فرماتے ماں باپ ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر فرماتے کہ بارش کون برساتا ہے؟ تو سب کہتے اللہ......تو حضرت فرماتے کہ بادل ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر فرماتے کہ دلوں کو نور کون عطا کرتا ہے؟ تو سب جواب دیتے اللہ۔ مگر شیخ استاد اس نور کے آنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت کی ضرورت اور اہمیت میں کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہ آئے؟

نظر کی تاثیر:

آج کل شعاعوں سے علاج ہوتا ہے۔ ٹی بی کا علاج، کینسر کا علاج شعاعوں کے ذریعہ سے کیا جا رہا ہے۔ جس طرح مشین سے نکلنے والی شعاعیں ہیں اسی طرح اللہ والوں کی نگاہوں سے بھی نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ میں اور آپ ایکسرے کو تو نہیں دیکھتے لیکن حقیقت کو ماننا پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی نگاہوں سے بھی نور کی کچھ شعاعیں نکلتی ہیں جو انسان کے دل کی ظلمتوں کو مٹا کے رکھ دیتی ہیں اور اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ بندے کے اندر نیکی آنی شروع ہو جاتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہے نظر بد، بری نظر لگ جانا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ''العین حق'' کہ نظر لگ جاتی ہے۔ جس سے دوسرا بندہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بچوں کو بھی بہت نظر لگتی ہے کیونکہ بچے تو بہت ہی پیارے ہوتے ہیں۔ اور ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ان کو ماں باپ کی نظر زیادہ لگتی ہے۔ بہر حال نظر

لگ جاتی ہے۔نظر کی اتار کی جو دعا تھی نبی A نے وہ بھی بتائی۔اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور انہوں نے کہا کہ جعفر کی اولاد کو نظر لگ جاتی ہے میں کیا کروں؟ کیا دم کر لیا کروں؟ تو نبی ﷺ نے بتایا،تو معلوم ہوا کہ یا تو بری نظر دوسروں پر اپنا اثر ڈالتی ہے یا بہت محبّت بھری نظر دوسرے پر اپنا اثر ڈال دیتی ہے۔اب دیکھیے کہ جس نظر کے اندر حسد ہے،عداوت ہے،بغض ہے،کینہ ہے اگر وہ نظر دوسرے پر اثر ڈال سکتی ہے تو اہل اللہ کی نظر جس میں الفت ہے،محبّت ہے،اخلاص ہے،اللہ کی رضا ہے تو یہ نظر دوسرے پر اپنا اثر کیوں نہیں ڈال سکتی؟ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وضد العین ونظر العارفین فانه من حیث تاثیر فی العکسی

یہ جو بری نظر لگ جاتی ہے اس کی ضد عارفین کی نظر ہے،اس لیے کہ یہ عارفین کی نظر بڑی موثر ہوتی ہے۔یہ کافر کو مومن بنا دیتی ہے،فاسق بندے کو نیک بنا دیتی ہے اور جاہل کو عالم بنا دیتی ہے۔بلکہ کتے کو انسان بنا دیتی ہے:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اصحابِ کہف کے کتے کی مثال:

دیکھیں! جنت میں انسان ہی جائیں گے مگر ایک ایسی بھی مثال ہے کہ ایک جانور،کتا اللہ والوں کے ساتھ لگ گیا،انہوں نے بھی کہہ دیا کہ جاؤ جان چھوڑو ہماری،مگر وہ پیچھے پیچھے،پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ رہا۔اللہ اکبر!اس کتے کی محبّت اللہ کو پسند آئی قرآن میں تذکرہ فرمایا:

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (الکھف:18) اس کا تذکرہ فرمادیا۔کسی پنجابی شاعر نے اس پر اشعار کہے کہ جب کتے کو کہا کہ تم چلے جاؤ۔تو اس نے آگے سے زبان حال سے جواب دیا:

نہ میں بھونکاں تے نہ میں ٹونکاں تے نہ میں شور مچاواں

تے نیکاں دے لڑ لگیاں سائیاں، میں جنت وچ وڑ جاواں

کتا کہتا ہے کہ نیکوں کے ساتھ لگا ہوں کیا پتہ میں بھی جنت میں چلا جاؤں۔ چنانچہ مفسّرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو یہ خوشخبری دی کہ نیکوں کی صحبت کی وجہ سے قیامت کے دن انسانی شکل میں لا کر میں تمہیں جنت عطا کروں گا:

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد

''اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی کے حکم میں ہو گیا''

اگر نظر کتے کو انسان بنا سکتی ہے تو پھر انسان کو اچھا انسان کیوں نہیں بنا سکتی؟ مفسّرین یہ فرماتے ہیں کہ

وَهٰذَا لِاَنَّهُمْ مَنْظُوْرُوْنَ بِنَظْرِ الْجَمَالِ ''اس لئے یہ لوگ اللہ کی جمال کی نظر کی وجہ سے بڑے منظور ہوا کرتے ہیں''

انعام یافتہ لوگ:

ہم اپنی نمازوں میں سورۃ فاتحہ میں یہ دعا مانگتے ہیں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ (الفاتحہ:5-6) دکھا ہمیں سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا''

یعنی فقط سیدھے راستے کی دعا نہیں کی بلکہ اللہ کے مقبول بندوں کی نسبت سے دعا مانگی کہ ان کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔ آگے پھر ایک اور آیت میں یہ بھی بیان کر دیا کہ انعام یافتہ بندے کون ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النسآء:69) اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے'' تو یہ صحبت عجیب چیز ہے۔ چنانچہ اتباع کی برکت دیکھیے کہ نبی ﷺ کی اتباع جنہوں نے کی، ان میں صدیقین تھے، شہداء تھے، صالحین تھے۔ ''اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ (النسآء:69) یہ وہ جماعت ہے جن پر اللہ کے انعامات ہوئے۔ تو یہاں پر تفسیر میں ایک عجیب نقطہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اتباع کی برکت دیکھو کہ انبیاء معصوم ہیں مگر اللہ نے اتباع کی برکت کی وجہ سے ان کو واؤ عاطفہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ صدیقین ، شہداء اور صالحین کے درمیان 'واؤ' جو ہے وہ واؤ عاطفہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اتباع کی برکت نے غیر معصومین کو واؤ عاطفہ کے ساتھ معصومین کے ساتھ اکٹھا کر دیا۔ تو اگر ایک آیت میں اللہ یوں اکٹھا کر دیتے ہیں تو کیا آخرت میں اکٹھا نہیں فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النسآء:69) فرما کر ان حضرات کی رفاقت کی اہمیت واضح فرما دی۔ دنیا میں ان کو رفیق بنائیں گے تو آخرت میں بھی ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

صحبت اہل اللہ کا عقلی اور سائنسی ثبوت:

آج کی دنیا سائنسی یا عقلی باتیں زیادہ سمجھتی ہے اس لیے آپ کو صحبت کی تاثیر والی بات ذرا عقلی مثال سے سمجھاتے ہیں۔

مثال ۱:

ایک آم ہوتا ہے جس کو کہتے ہیں ''لنگڑا''۔ یہ لنگڑا مگر ساری دنیا کا سفر کرتا ہے۔ ٹانگوں والوں سے اچھا ہے۔ ہم نے دیکھا کینیڈا میں آم جا رہا ہے۔ کون سا جی؟ ''لنگڑا''۔ ہم نے کہا دیکھو! لنگڑا ادھر بھی پہنچ گیا۔ کیا لنگڑا ہے! یہ تو لنگڑا مگر کینیڈا پہنچ گیا کیونکہ ذائقے اور خوشبو کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔ آم کو لوگ کیا کرتے ہیں؟ دیسی آم اگاتے ہیں اور اس کی ایک شاخ کے اوپر اس لنگڑے آم کی Graphiting (پیوند کاری) کرتے ہیں۔ کیونکہ دیسی آم کے اندر اتنا رس بھی نہیں ہوتا، لذیذ بھی نہیں ہوتا، خوشبو دار بھی نہیں ہوتا اور پھل بھی تھوڑا آتا ہے تو Quality اور Quantity (معیار اور مقدار) دونوں زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب لنگڑے آم کے ساتھ اس کا پیوند کر دیا جاتا ہے، اس کو جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ پیوند کاری کا عمل ایسا ہے کہ وہ شاخ بڑھنے لگ جاتی ہے اور اس شاخ پر پھر جو آم لگتا ہے تعداد میں بھی زیادہ اور رس میں بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس کے اندر خوشبو بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی مثال ہے کہ جو بندہ اللہ والوں کی صحبت میں آئے اور اپنے دل کی ان کے دل کے ساتھ پیوند کاری کر لے یہ دیسی ہوگا اور اللہ والے: وہ ماشاء اللہ اعلیٰ قسم کے آم کی مانند ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت کی برکت کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو بھی صاف کر دیتے ہیں۔ اس کی کوالٹی کو بھی بہتر فرما دیتے ہیں۔

مثال ۲:

ایک اور مثال سمجھیں۔ ایک درخت کا پھل ہوتا ہے جس کو کہتے ہیں '' آملہ''۔ یہ جو حکیم لوگ ہیں ان کے استعمال میں بہت کثرت سے رہتا ہے۔ یہ آملہ مختلف بیماریوں کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ تو مشائخ نے فرمایا کہ آملے کے دو دانے تھے، گرے پڑے تھے، کسی نے کہا کہ بھئی میں آپ کو اٹھاتا ہوں اور آپ کے جسم میں سوئیاں چبھوؤں گا، آپ کو آگ پہ چڑھاؤں گا۔ آپ کو یہ ساری تکلیف برداشت کرنی

پڑے گی۔ لیکن جب یہ تکلیف برداشت کرلیں گے تو آپ کی قیمت بڑھ جائے گی۔ چنانچہ ان میں سے ایک آملے نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ جس حکیم نے اسے اٹھایا اس نے پہلے اس کے سوئیاں چبھو کر اسکے اندر جو کڑوا پانی تھا وہ نکال دیا۔ اور اس کے بعد اس نے پانی گرم کیا اور اسکو ڈال کر ابالا۔ اتنا جوش دیا، اتنا جوش دیا کہ آملہ بالکل نرم ہو گیا، اس کی جو سختی تھی وہ نرمی میں بدل گئی۔ اب جب نرم ہو گیا تو اس نے اس کے اوپر سونے کا ورق چڑھایا، چاندی کا ورق چڑھایا اور اس کو اس نے چینی کے بنے ہوئے شیرے کے اندر رکھا، اس کو کہتے ہیں آملہ کا مربہ۔ یہ آملہ کا مربہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ حکیم لوگ جو پہلے زمانے میں دل کی کمزوری کا علاج کرتے تھے، اور بڑے دماغی کام کرنے والوں کو کہتے تھے کہ جی آملہ کا مربہ استعمال کریں۔ تو یہ سونے اور چاندی کے ورق میں لپیٹ کر بادشاہوں کو پیش کیا جاتا تھا۔ اور ایک ایک دانہ کئی کئی روپے مہنگا بکا کرتا تھا۔ فرمایا کہ جس نے مجاہدے کے لیے پیش کر دیا اس کی شان تو بڑھی کہ بادشاہوں کے ہاتھوں میں ورق لگ کر پہنچا اور ان کی غذا بنا۔

آملہ کا دوسرا دانہ، اس نے کہا کہ بھئی مجھ سے مجاہدے برداشت نہیں ہوتے، میں تو ادھر پڑا ہوں۔ لہٰذا وہ وہیں پڑا رہا۔ اب اس کے اوپر سورج کی دھوپ پڑی، ہوا کا اثر ہوا، بارش کا اثر ہوا لہٰذا کچھ دنوں میں وہ جو اس پر تازگی تھی وہ خشکی میں بدل گئی۔ جو حسن ظاہر تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ سیاہی مائل بن گیا، دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اب صفائی کرنے والا خاکروب آیا اور اس نے آکر جھاڑو کے ساتھ اس کو بھی اکٹھا کیا۔ اور سیاہ شکل کے جو آملے تھے ان کی بوری بھری اور بوری بھر کے اس نے کسی حکیم کو پہنچائی۔ حکیم نے اسے معمولی سی قیمت دے دی۔ اب حکیم نے سوچا کہ میں اسے کیا کروں۔ اس حکیم نے اس آملے کو پیس لیا۔ اب اس کو پسنا پڑا۔ جب پس کے یہ بالکل سفوف بن گیا تو اس نے پڑیاں بنا دیں۔ کس لیے؟ قبض

کے علاج کے لیے۔ اب یہ آملہ ایک انسان کو دیا جاتا ہے قبض توڑنے کے لیے، سوچو: اللہ نے اس کے ذمہ پاخانہ دھکیلنے کا کام لگا دیا۔ تم بندے کے پیٹ میں جاؤ اور پاخانے کو دھکیلو، تو جس نے مجاہدے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ورق لگ کے بادشاہوں کے ہاتھ میں پہنچا اور جس نے پیش نہ کیا قیمت بھی کم لگی اور کام بھی یہ ذمہ لگا کہ وہ پاخانہ دھکیلتا ہے۔

فرماتے ہیں دو انسان ہیں۔ ایک اپنے آپ کو مشائخ کے حوالے کر دیتا ہے، وہ محنت کر کے اس کے دل میں اللہ کی محبّت کا بیج ڈال دیتے ہیں۔ اللہ کی محبت جگا دیتے ہیں۔ یہ وہ ہوتا ہے کہ اس کے جوتوں کو وقت کے بادشاہ اپنے سروں کا تاج بنا لیتے ہیں۔ اور ایک دوسرا ہوتا ہے جو ان مشائخ کی صحبت میں نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ جیسے یہ پاخانہ کو دھکیلتا پھرتا ہے یہ بندہ دنیا کی نجاست کو دھکیلتا پھرتا ہے۔ اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم اللہ والوں کی صحبت میں آئیں تو ہمیں یقیناً اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں ملیں گی۔

صحبتِ اہل اللہ سے زندگی میں انقلاب:

حضرت مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ یہ انگریزی تعلیم یافتہ تھے، اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ افسر تھے۔ تو ان سے کسی نے پوچھا کہ مجذوب صاحب آپ تو مسٹر تھے۔ آپ کی ٹر کیسے مس ہوگئی؟ تو پھر انھوں نے بتایا کہ میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آیا۔ شیخ کی ایک لمحہ کی اس صحبت نے مجھے غفلت سے نکال کر اولیاء اللہ کی صف میں کھڑا کر دیا یوں اللہ کی محبّت نے تڑپا کر رکھ دیا۔ فرماتے ہیں:ـــ

نقش بتاں مٹایا ، دکھایا جمالِ حق آنکھوں کو میری آنکھیں ، دل کو دل بنایا
آہن کو سوز دل سے کیا نرم آپ نے نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا

اہل اللہ کی صحبت مفید ہونے کی وجوہات:

اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے کیوں فائدہ ہوتا ہے؟ اس کی چار بنیادی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

ایک وجہ یہ ہے کہ جس طرف ان کے دل متوجہ ہوتے ہیں اللہ کی رحمتیں اور اللہ کا فضل بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی خادم نے پوچھا کہ حضرت! یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر فیض ملتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ پہلے زمانے میں ہاتھ کے پنکھے ہوتے تھے جو چھت پہ لٹکے ہوتے تھے اور رسی سے اس کو کھینچتے تھے۔ ہم نے اپنے بچپن میں وہ زمانہ دیکھا، جب بڑے بزرگ کھانا کھاتے تھے تو ہم رسی کھینچ کر وہ پنکھا چلاتے تھے۔ اور وہ پنکھا اتنا بڑا ہوتا تھا کہ کمرے کے سب لوگوں کو ہوا ملتی تھی۔ یہ سوال پوچھنے والا خادم بھی وہی پنکھا چلا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ جی اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر کیسے دوسرے کو فیض ملا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ بتاؤ کہ پنکھا کس کے لیے چلا رہے ہو؟ حضرت آپ کے لیے۔ ساتھ والوں سے پوچھا کہ ہوا آپ کو بھی لگ رہی ہے؟ کہنے لگے کہ لگ رہی ہے۔ فرمایا کہ بالکل اسی طرح اللہ رحمتیں تو اپنے مقبول بندوں پر فرماتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے بھی اس رحمت کی ہوا سے محروم نہیں رہتے۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے ملفوظات سن کر انسان کو نفس کے رذائل کا پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ نفس کی خباثتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اب جیسے کوئی ہم سے سوال پوچھے کہ وسوسہ تو شیطان کی طرف سے بھی آتا ہے اور وسوسہ انسان کو نفس کی طرف سے بھی آتا ہے۔ سالک کو کیسے پتہ چلے کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے یا نفس کی طرف سے؟ تو کوئی بھی عام طالب علم اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا

جواب کون دے گا؟ وہ جسے اللہ نے نور فراست عطا کیا ہوگا۔ وہ سمجھائے گا کہ دونوں قسم کے وسوسے میں پہچان کیسے کی جا سکتی ہے؟

تیسری وجہ:

اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر جب انسان ان کو اپنے حالات سناتا ہے، بتاتا ہے تو ان کی مقبول دعاؤں کے اوقات میں یہ بندہ ان کو یاد آجاتا ہے تو ان کی دعاؤں میں حصہ پڑ جاتا ہے۔

چوتھی وجہ:

انسانی طبیعت میں نقل صفات کا خاصہ ہے، لہٰذا ان کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فيه استحباب دعا عند حضور الصالحين فان عند ذكرهم تنزل رحم فضل عند وجودهم وظهورهم فضل عند وجودهم وظهورهم

''کہ نیکوں کی محفل میں بیٹھ کر دعا مانگنا، اس میں اس کا استحباب یہ ہے کہ اگر نیکوں کے تذکرے سے رحمت اترتی ہے تو جہاں وہ خود موجود ہوں اور جہاں ان کی خود حاضری ہو تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کتنی رحمتیں نازل فرمائیں گے''

وہ جن کے تذکرے پر اللہ تعالیٰ اتنی رحمتیں نازل فرما دیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت ان کے موجود ہونے پر کتنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔

کسی ایک شیخ سے بیعت کی کیا ضرورت؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جی اچھا: ہم نیکوں کی صحبت میں تو آئیں مگر کسی ایک شیخ سے

بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ ہم جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ دراصل یہ نفس جو ہے یہ دنیا کا سب سے پہلا غیر مقلّد ہے، یہ نہیں چاہتا کہ کسی کے پیچھے چلے، یہ کہتا ہے کہ کسی ایک کی ماننے کی کیا ضرورت؟ بس میں جہاں چاہوں جاؤں۔ مگر یہ تو ایسے ہی ہوا کہ مریض کہے کہ کسی ایک ڈاکٹر سے دوائی لینے کی کیا ضرورت ہے؟ صبح کسی سے لوں گا، دوپہر کسی سے، شام کسی سے تو کیا اس کا علاج ہو جائے گا؟ اسی لیے لوگ تو خاندانی ڈاکٹر رکھتے ہیں کہ یہ ہماری ہسٹری جانتا ہے، اس کو ہماری طبیعت کا زیادہ پتہ ہے۔ یہ ہماری طبیعت کے موافق ہمیں دوا دے گا۔ بالکل اسی طرح ایک شیخ کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ بندے کی طبیعت سے واقف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اس بندے کی طبیعت کے مطابق اس کو علاج بتا دیتا ہے۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ ایک اور اس کے بندے کئی، رسول ہمارے ایک اور امتی کئی، امام ہمارے ایک اور ان کے مقلّد کئی، باپ ایک اور اس کے بیٹے کئی، میاں ایک اور اس کی بیویاں کئی، معالج ایک اور اس کے مریض کئی۔ اور پیر ایک اور اس کے مرید کئی۔ اور اگر بیوی ایک اور اس کے خاوند زیادہ، بندہ ایک اس کے خدا زیادہ، اسی طرح مرید ایک اور اس کے پیر زیادہ ہوں تو پھر اس کی کیا اصلاح ہوگی؟ اسی لیے ''یک گیر محکم بگیر'' ایک کو پکڑ لو مضبوطی سے پکڑ لو۔ پھر دیکھو اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی رحمتیں ہوتی ہیں۔

وصول الی اللہ کا نسخہ:

چنانچہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وصول الی اللہ کا ایک نسخہ بتایا ہے اور عجیب بات لکھی ہے۔ پڑھ کے حیرانی ہوئی۔ کسی شخص کو فرمایا کہ ایک نسخہ میں لکھ رہا ہوں اس کو اپناؤ۔

پہلی بات کہ اعمال میں ہمت کر کے ظاہراً باطناً شریعت کے پابند بنو۔

دوسری بات کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔

تیسری بات کہ شیخ کی صحبت اختیار کرو۔

اور جب ان سے دور ہو تو ان کی کتابوں سے، مواعظ سے اور ملفوظات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر تم یہ چار کام کر لو گے تو میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ آپ لوگ باخدا بن جاؤ گے۔ یہ حضرت فرماتے ہیں کہ تم چار کام کر لو، چار کام کرنے کے بعد میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ آپ لوگ باخدا بن جاؤ گے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

''چنگے سنگ ترے''

چنانچہ ایک بزرگ جا رہے تھے تو راستے میں ایک آدمی سنگترے بیچ رہا تھا اور وہ آواز لگا رہا تھا کہ ''چنگے سنگترئے'' یہ پنجابی کا لفظ ہے ''چنگے سنگترے'' تو اس کا مطلب ہے ''اچھے سنگترے'' تو جیسے بیچنے والے آوازیں لگاتے ہیں وہ بھی آواز لگا رہا تھا۔ ''چنگے سنگترے...... چنگے سنگترے......'' ان بزرگوں نے جب سنا تو ان کے اوپر حال پڑ گیا، جذب میں اللہ، اللہ، اللہ کہنے لگے، عجیب کیفیت بنی۔ جب طبیعت سنبھلی لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا، سنا نہیں وہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت وہ تو سنگترے بیچنے والا سنگترے بیچنے کے لیے اپنی آواز لگا رہا ہے۔ فرمایا: نہیں نہیں۔ دیکھو! وہ کہہ رہا ہے ''چنگے سنگ ترے'' جو نیکوں کے سنگ لگ جاتے ہیں وہ تر جاتے ہیں۔ اس کی کشتی کنارے لگ جایا کرتی ہے۔

نیکاں دے لڑ لگیاں میری جھولی وچ پھل پئے
تے بریاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے وی ڈل گئے

اچھی صحبت میں جانے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ کسی نے اس طرح فرمایا ہے:؎

جہاں عطر کھچتا ہے جاؤ وہاں گر تو آؤ گے اک روز کپڑے بسا کر

وہاں جاؤ گے تو اپنے کپڑوں پر بھی خوشبو لگ جائے گی۔

جہاں آگ جلتی ہے جاؤ وہاں گر　　تو آؤ گے اک روز کپڑے جلا کر

آگ کے پاس جا کر بیٹھو گے تو ایک دن کپڑے جلا کر آؤ گے۔ایک صاحب کہنے لگے کہ جی آگ جل رہی تھی اور میں وہاں جا کر بیٹھا رہا تو میرے کپڑے تو نہیں جلے۔تو شاعر نے اس کا بھی جواب دیا۔کہا نہ

یہ مانا کہ کپڑے بچاتے رہے تم　　مگر آگ کی سینک کھاتے رہے تم

تم نے کپڑے تو بچا لیے مگر آگ کی گرمی تو پہنچی۔اسی طرح بدکاروں کے پاس بیٹھو گے تو معصیت کی ظلمت پہنچے گی۔نبی ﷺ نے بہت اچھے انداز میں بات سمجھا دی۔نیک دوست کی مثال عطار کی مانند ہے،اس سے دوستی لگاؤ! کبھی نہ کبھی عطر دے ہی دے گا۔نہ بھی دے تو جتنی دیر بیٹھو گے اتنی دیر خوشبو تو آئے گی۔اور برے دوست کی مثال، جیسے لوہے کی آگ کی بھٹّی ہوتی ہے۔دے دے گا تو کوئلے ہی دے گا۔اور نہ بھی دیا تو اس کوئلے کی کالک اور سیاہی تو ضرور ملے گی۔

صحبتِ اہل اللہ کی عقلی دلیل:

علماء کہتے ہیں کہ ٹرین کے ڈبے ہوتے ہیں۔ایک فرسٹ کلاس کا ڈبہ اور ایک تھرڈ کلاس کا ڈبہ۔ایک فرسٹ کلاس کے ڈبے نے تھرڈ کلاس کے ڈبے کو کہا کہ تو کیا ہے؟ نری مصیبت ہے، زنگ لگا ہوا ہے، چلتے ہوئے چوں چوں، کھٹ کھٹ کرتا رہتا ہے اور نہ تیری سیٹیں اچھی، نہ تیرے اندر ٹھنڈک کا انتظام، نہ کوئی اور ایسا آرام۔میرا مقام دیکھو فوم کے گدے لگے ہیں، ائیر کنڈیشن چل رہا ہے، میں کتنا آرام دہ ڈبہ بنا ہوا ہوں! تھرڈ کلاس کے ڈبے نے کہا کہ جناب میں آپ کی بڑی شان کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔مگر ایک بات بتاؤں کہ میری کنڈی آپ کی کنڈی میں پھنسی ہوئی ہے، لہٰذا آپ جس منزل

پر جائیں گے میں تھرڈ کلاس کا ڈبہ بھی اسی منزل پر جاؤں گا۔یہی اللہ والوں کا معاملہ ہے ۔ یہ فرسٹ کلاس والے ڈبے ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا والے اسٹیشن کی طرف جا رہے ہوتے ہیں ۔ جو اپنے دل کی کنڈی ان کے دل کے ساتھ پھنسا لیتا ہے اللہ اس کو بھی اپنے رضا والے سٹیشن پر پہنچا دیتا ہے۔

حکایت:

اس بات کو سمجھنے کیلیے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ایک چیونٹی کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح خانہ کعبہ پہنچوں اور بیت اللہ کی زیارت کروں۔لیکن وہ تو وہاں سے کوسوں دور تھی۔ وہ روزانہ سوچتی رہ جاتی کہ میں چھوٹی سی مخلوق ہوں، بھلا وہاں کیسے پہنچ سکتی ہوں؟ ایک دفعہ جہاں وہ رہتی تھی کبوتروں کا ایک غول آ گیا اور کھیتوں سے دانہ وغیرہ چگنے لگا۔چیونٹی نے کیا کیا کہ ایک کبوتر کے پنجے سے چمٹ گئی جیسے ہی کبوتر نے اڑان بھری وہ بھی اس کے ساتھ ہی اڑ گئی۔ آخر کار کبوتر خانہ کعبہ پہنچ گئے تو وہ بھی خانہ کعبہ پہنچ گئی اور اپنی مراد کو پا لیا۔

اب دیکھیں! کہ تھی تو وہ چیونٹی ہی، کبوتر تو نہیں بن گئی لیکن کبوتر کے ساتھ لگنے کی وجہ سے جہاں کبوتر پہنچے وہاں وہ بھی پہنچ گئی۔یہی حال اولیاء اللہ کی صحبت کا ہے کہ ان کے ساتھ لگنے کی وجہ سے کم مرتبہ شخص بھی کسی مرتبے کو پا لیتا ہے۔

قرآن مجید سے دلیل:

اب آپ پوچھیں گے کہ اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ قرآن مجید سے بھی دلیل اور حدیث پاک سے بھی دلیل۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطور:21)

’’اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی۔ ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے‘‘

جن اولادوں نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی یعنی ان کے مطابق چلنے کی کوشش کی، ہم ان کی اولادوں کو ان کے بڑوں کے ساتھ اکٹھا فرما دیں گے۔ اب مفسّرین نے لکھا کہ اولاد ہوتی ہے دو طرح کی۔ ایک جسمانی اولاد اور ایک روحانی اولاد۔ تو یہ آیت جسمانی اولاد کے لیے بھی ہے کہ اگر اللہ والوں کی اولاد میں سے کوئی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے مگر اس بلندی تک نہ پہنچے جہاں اکابر پہنچے تھے، اپنی ہمت اور کوشش کرتا رہے۔ اس نسبت کی وجہ سے، اس برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چھوٹے کو بھی اپنے بڑوں کے ساتھ اکٹھا کر دیں گے۔

اور فرمایا کہ اس میں روحانی اولاد بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے روحانی تعلّق ہے، بندہ اتنا متقی نہ بن سکا، اتنا بلند پرواز نہ بن سکا لیکن کسی شہباز کیساتھ محبّت کا تعلّق جوڑ لیا، دل کی کنڈی پھنسا لی تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن ہم اس روحانی اولاد کو ان کے روحانی والدین کے ساتھ اکٹھا فرما دیں گے۔

حدیث شریف سے دلیل:

نبی ﷺ نے سادہ لفظوں میں بات سمجھا دی۔ ارشاد فرمایا:

المرء مع من احب

’’بندہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبّت ہوگی۔‘‘

اب ذرا سوچیے کہ اس عاجز کو اپنے شیخ کے ساتھ محبّت ہے، میرے شیخ کو اپنے کے شیخ کے ساتھ محبّت

ہے تو وہ اپنے شیخ کے ساتھ ہونگے۔ان کو اوپر والے شیخ کے ساتھ محبّت۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے صدیق اکبر تک پہنچا تو یہ سارے کے سارے کہاں جا کر اکٹھّے ہوئے ؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کن سے محبّت؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو پھر آخر پر جا کر صحبت کس کے ساتھ نصیب ہوئی ؟ کن کے قدموں میں جگہ ملی؟ معلوم یہ ہوا کہ اللہ والوں سے یہ محبّت کا رشتہ جوڑیں گے اس کے صدقے اللہ قیامت کے دن اپنے محبوب کے قدموں میں جگہ عطا فرمادیں گے۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے ،بہت بڑی بات ہے۔اس پر تو انسان اپنی زندگی لگا دے۔ یہ سودا کر لے سستا ہے۔اس لیے کہ یہ محبّت دین کے لئے ہے۔

اور ویسے بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جن لوگوں کے درمیان اللہ کے لیے محبّت ہوگی۔فرمایا:"هـم المتحابون فی الله "قیامت کے دن جن سات آدمیوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے وہ بندے بھی ہیں جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہوں گے۔ اور یہ سلوک اور طریقت کا تعلّق یہی اللہ کے لیے محبّت ہے۔تو پھر اس محبّت کی کتنی قدر کرنی چاہیے۔اس کی کتنی لاج رکھنی چاہیے! اس کو مضبوط سے اضبط کرنا چاہیے تاکہ اللہ رب العزت اسی محبّت پر ہمیں زندہ رکھے اور اسی محبّت پر ہمیں دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ پھر قیامت کے دن اس کے نظارے آپ دیکھیں گے۔

مشائخ کی صحبت کا بنیادی اصول، عاجزی:

بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان اکڑے نہیں، فخر نہ کرے، اپنے آپ کو کچھ سمجھنے نہ لگ جائے۔ شیطان اس راستے سے بھی تو بندے کو بھٹکا دیتا ہے کہ میں تو بڑا اقریبی ہو گیا ہوں میں تو بڑا تعلّق رکھتا ہوں...... یہ "میں" ہی تو بندے کو پھنسا دیتی ہے، مروا دیتی ہے۔اسی لیے دل میں عاجزی ہونی چاہیے۔اللہ کا شکر

ادا کریں اور طبیعت میں ''میں'' آنے کی بجائے عاجزی آنی چاہیے۔عاجزی جتنی زیادہ ہوگی اللہ کے ہاں اتنے ہی زیادہ مقبول ہوں گے۔

چنانچہ کتابوں میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب توبہ کی تو یہ بلخ کے بادشاہ تھے۔انہوں نے ارادہ کیا کہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جاؤں۔ ہر قدم پر یہ دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے وہاں گئے۔ایک قدم بڑھاتے مصلی بچھا کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر قدم بڑھاتے دو رکعت پڑھتے۔ ہر ہر قدم پر دو دو رکعتیں پڑھتے پڑھتے تقریباً اڑھائی سال میں مکہ مکرمہ پہنچے۔واہ میرے مولا! آپ کی بھی کیا شان ہے!اور آپ کے دنیا میں کیسے کیسے چاہنے والے ہیں!وہاں جا کر طواف کیا،مقام ابراھیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی،اے اللہ! تیرے بندے پاؤں سے چل کر تیرے گھر کی طرف آتے ہیں، میں وہ بندہ ہوں جو پلکوں کے بل چل کر تیرے گھر کی طرف آیا ہوں۔اتنے میں رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا بھی آ گئیں۔ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر اللہ کی خصوصی تجلّیات ذاتیہ وارد ہو رہی ہیں۔ بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے: رابعہ ایسا مقام تجھے کیسے مل گیا؟ تو رابعہؒ نے کہا: شور تو آپ نے مچا رکھا ہے کہ ہر قدم پر دو رکعت پڑھ کے آئے ہو۔فرق بتاؤں؟ کہنے لگے: بتائیں۔کہنے لگیں کہ فرق یہ ہے کہ آپ اس جگہ پر سر نیاز لے کر آئے ہیں اور میں اس جگہ پر دل نیاز لے کر آئی ہوں۔میری اس نیاز مندی کو اللہ نے پسند فرما لیا۔تو اللہ والوں کی صحبت میں رہیں تو عاجز بن کر رہیں۔پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کی کیا رحمتیں آتی ہیں۔

صحبت سے محبّت ملتی ہے:

عاجزی کے ساتھ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ان کے دلوں کی جو محبّت ہے وہ اس بندے کے دل میں Reflect (منعکس) ہو جاتی ہے۔اور بندہ اللہ کا عاشق اور اللہ کا دیوانہ بن جاتا ہے۔پھر دل

اللہ کی محبت میں تڑپتا ہے۔اللہ کی محبت میں اداس ہوتا ہے۔انسان پھر اللہ کے لئے راتوں کو اٹھ کر رویا کرتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ شیخ سے جو محبّت ہے وہ اس نظر سے کرو کہ یہ اللہ رب العزت کا چاہنے والا ہے، اللہ سے محبّت کرنے والا ہے۔اس کی راتیں، اس کے دن، اس کی صبحیں، اس کی شام، اس کا اٹھنا بیٹھنا ہر وقت اللہ رب العزت کی محبّت میں گزر رہا ہے۔لہٰذا میں اللہ کے چاہنے والے ایک دل کے ساتھ محبّت کر رہا ہوں تا کہ مجھے بھی اللہ سے شدید محبّت نصیب ہو جائے۔اور پتہ ہے کہ یہ محبّت کیا ہے؟ کسی نے عجیب اشعار کہے ہیں:

محبّت کیا ہے دل درد سے معمور ہو جانا　　متاع جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا
قدم ہیں راہ الفت میں منزل کی ہوس کیسی　　یہاں پر عین منزل ہے تھکن سے چور ہو جانا
یہاں پر سر سے پہلے دل کا سودا شرط ہے یارو　　کوئی آسان نہیں ہے سرمد و منصور ہو جانا

کیا عجیب شعر کہا:

بسا لینا کسی کو دل میں دل کا ہی کلیجا ہے　　پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہو جانا

نکتے کی باتیں:

☆ پہاڑ پر اللہ کی تجلّی پڑی تھی ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔سرمہ بن گیا تھا۔یہاں پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب معرفت کی بات لکھی۔طلباء کے لئے ایک عجیب نکتہ ہے۔فرماتے ہیں کہ جب پہاڑ پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہ منعکس ہوتی ہے۔تبھی ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اگر منعکس ہی نہ ہو تو پہاڑ نظر ہی نہ آئے۔تو روشنی پڑی سطح سے ٹکرا کر منعکس ہوئی اور پہاڑ ہمیں نظر آیا۔تو عام دستور یہی تھا جب اللہ رب العزت نے اس پر اپنی تجلّیات ذاتیہ ڈالی تو فرماتے ہیں کہ پہاڑ نے یوں سوچا کہ اگر عام روشنی کی طرح

یہ نور میری سطح سے ٹکرا کر چلا گیا تو میرے اندر کے حصے کو تو اس نور سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع تو نہیں ملے گا۔لہٰذا یہ پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تا کہ میرے ہر ہر ذرے میں اللہ کی تجلّیات سمو جائیں۔اللہ اکبر۔تو یہ محبّت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر ملتی ہے۔

☆حضرت موسیٰؑ نے دعا مانگی تھی

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (الاعراف:143) اے رب! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں ذرا تجلّی دکھا دیجئے، فرمایا کہ

لن ترانی ''نہیں دیکھ سکتے''

لیکن جب نبی ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰؑ نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی ۔اور نبی ﷺ جب معراج سے واپس آئے تو وہاں موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ کہ موسیٰؑ نے پوچھا کہ اللہ پاک نے کیا دیا فرمایا کہ پچاس نمازوں کا تحفہ۔فرمایا اے اللہ کے محبوب! میری امت پر بھی نمازیں تھی ۔ذرا تخفیف کے لئے چلے جائیے نبی ﷺ نے دوبارہ عرض کی، پانچ کم ہوگئیں، پھر پانچ کم ہوگئیں تو نو دفعہ جانے سے پینتالیس کم ہوگئیں اور باقی پانچ رہ گئیں۔پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اب تو مجھے جاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

علما فرماتے ہیں کہ یہ جو بار بار اوپر نیچے آنا جانا تھا اس میں اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب کی شان دکھانا چاہتے تھے۔اگر ایک دفعہ جاتے اور واپس آتے تو کہنے والے کہتے کہ کیا ہوا ایک دفعہ قدرتاً چلے گئے ۔یہ ایک دفعہ کی بات نہیں میں نے اپنے محبوب کو وہ مقام دیا جب چاہا اوپر آئے پھر نیچے چلے گئے اور پھر اوپر آئے۔نو دفعہ اوپر نیچے آنے جانے کا شرف آپ کو عطا فرمایا۔

☆اب یہاں پر دوسرا نکتہ یہ لکھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تھے تو ان میں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم بھی تھے وہ تو راستے میں نہیں بیٹھے تھے۔ اللہ کے کلیم بیٹھے۔ اس میں کیا بات ہے تو علماء نے لکھا بات یہ تھی کہ جب موسیٰؑ نے اللہ سے کہا تھا کہ اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو اللہ نے فرمایا کہ نہیں دیکھ سکتے اور حضرت موسیٰؑ کو پتہ چلا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو اپنے پاس اپنے دیدار کے لئے بلایا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے سوچا کہ میں دیدار تو نہ کر سکا لیکن میں دیدار کرنے والوں کا دیدار تو کر سکتا ہوں۔ اس لئے راستے میں جا کر بیٹھ گئے جب اللہ کا دیدار کر کے آئیں گے تو میں سب سے پہلے ان کا دیدار کروں گا۔

فرمایا کہ شیخ سے محبّت اس لئے رکھو کہ یہ وہ دل ہے جس پر اللہ کی تجلّیات ذاتیہ نازل ہوتی ہیں۔ میرے اللہ میں یہ سعادت حاصل نہ کر سکا لیکن میں نے اس دل سے محبّت کا رشتہ تو جوڑ لیا ہے پھر دیکھو اللہ رب العزت کے ہاں کیسی قبولیت ہوتی ہے اللہ رب العزت کس طرح اپنے بندے کے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کی حقیقی محبّت نصیب فرمادے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهُ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ